دُنیا کی عظیم ترین نعمت ـــــ قرآن حکیم

صدر مؤسس محترم ڈاکٹر اسرار احمد کا خطاب

(۲۹ رمضان المبارک ۱۴۲۰ھ بمقام سمن آباد لاہور)

خطبہ مسنونہ کے بعد تلاوتِ آیات :

اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ○ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ○

﴿ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ھُدًی لِّلنَّاسِ وَبَیِّنٰتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ ۚ ﴾ (البقرۃ : ۱۸۵)

ادعیہ ماثورہ کے بعد فرمایا :

معزز حاضرین و محترم خواتین! میں نے ابھی آیت کا جو ٹکڑا تلاوت کیا ہے اس کے حوالے سے سب سے پہلے تو ہمیں یہ نوٹ کرنا ہے کہ "شَھْرُ رَمَضَانَ" یعنی رمضان کا مہینہ قریب الاختتام ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کُل کا روزہ آخری ہو یا یہ بھی ممکن ہے کہ ایک اور ہو جائے۔ اس ماہ مبارک کے دوران جن لوگوں نے بھی قرآن مجید سے اپنے تعلق کو تازہ کیا وہ بہت بڑی مبارک باد اور تہنیت کے مستحق ہیں۔ اس لئے کہ درحقیقت یہ ماہِ مبارک مسلمانوں کے قرآن مجید کے ساتھ تجدیدِ تعلق کا مہینہ ہے۔ اِس وقت کی گفتگو کا عنوان چونکہ معیّن ہے : "دُنیا کی عظیم ترین نعمت' قرآن حکیم" لہٰذا مجھے اسی کے حوالے سے گفتگو کرنا ہے۔

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا : ﴿ شَھْرُ رَمَضَانَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ فِیْہِ الْقُرْاٰنُ ﴾ "رمضان کا مہینہ وہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا" اور قرآن کیا ہے؟ بَیِّنَاتٍ مِّنَ الْھُدٰی وَالْفُرْقَانِ "ہدایت اور فرقان کی بینات"۔ اس ترکیب میں جو تین الفاظ آئے ہیں اس میں سب سے پہلے لفظ "ہدایت" پر توجہ دیجئے کہ "ہدایت" سے مراد کیا ہے؟ اس کا ہم عام ترجمہ تو رہنمائی اور راستہ بتانا کرتے ہیں' لیکن ذرا گہرائی میں سمجھئے کہ "ہدایت" کسے کہتے ہیں؟

ہدایت کے دو پہلو

ہدایت کے دو حصّے ہیں : ایک ہے انسان کے لئے نظری، فکری اور علمی ہدایت اور ایک ہے عملی، اخلاقی اور زندگی کے معمولات کے ضمن میں ہدایت۔ نظری، فکری اور علمی ہدایت کے اہم ترین حصے کو ہندی میں "سَت اَسَت وِویک" کہتے ہیں۔ یعنی انسان میں یہ تمیز پیدا ہو جائے کہ کیا چیز حق ہے اور کیا باطل ہے۔ ہندو جب اپنے مُردوں کی "ارتھی" لے کر جاتے تھے تو کہتے تھے کہ "رام نام سَت ہے" تو "سَت" کے معنی "حق" کے ہیں۔ قرآن مجید میں آتا ہے : "ذٰلِکَ بِاَنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَقُّ" اسی طرح ہندی میں اس حق کے لئے لفظ "سَت" ہے۔ ہندی میں بعض الفاظ کے شروع میں اگر سابقے کے طور پر "الف" کا اضافہ کر دیں تو معنی الٹے ہو جاتے ہیں۔ مثلاً "ٹل" سے "اٹل" اسی طرح "مر" سے "امر" اور "سَت" سے "اَسَت"۔ "اَسَت" وہ شے ہے جو نظر تو آ رہی ہے لیکن حقیقی نہیں ہے، جبکہ "سَت" وہ شے ہے جو حقیقت پر مبنی ہے۔ سب سے بڑی بات یہی ہے۔ انگلستان کے بہت بڑے فلسفی "بریڈ لے" نے اپنی ایک معرکۃ الآراء کتاب "Appearance and Reality" میں اسی حقیقت کو بیان کیا ہے کہ "جو کچھ نظر آتا ہے وہ حقیقت نہیں ہے، بلکہ حقیقت اس کے پیچھے ہے"۔ جو کوئی محض آنکھوں سے نظر آنے والی چیزوں میں الجھ گیا وہ درحقیقت باطل (falsehood) کا شکار ہے، جب تک کہ اس ظاہر کے پردے کو چیر کر باطن کو نہ دیکھا جائے۔ اقبال نے کہا ہے ؎

گاہ مری نگاہ تیز چیر گئی دلِ وجود
گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

عربی کا ایک شعر ہے ؎

کُلُّ مَا فِی الْکَوْنِ وَھْمٌ اَوْ خیالٌ
او عُکُوسٌ فی المَرَایَا اَوْ ظِلَالٌ

"یہ کائنات میں جو کچھ ہے وہم ہے یا خیال ہے، یا جیسے شیشوں کے اندر عکس ہوتا ہے یا جیسے سایہ ہوتا ہے۔"

اس کی کوئی حقیقت نہیں۔ یہ مادی دُنیا اور مادی عالم بڑا ٹھوس نظر آتا ہے، یہ محسوس بھی

ہوتا ہے' اس میں ہمیں کوئی تکلیف پہنچتی ہے تو فوراً محسوس ہو جاتی ہے اور اس کی مسرت بھی فوراً محسوس ہوتی ہے۔ ہم اس کی تکلیف سے بھی متاثر ہوتے ہیں اور اس کی راحت سے بھی' لیکن اصل بات یہ ہے کہ انسان سمجھ لے کہ یہ نمودِ بے بود ہے' یعنی اس کی نمود تو ہے' حقیقت کوئی نہیں۔ حقیقت صرف ذات باری تعالیٰ ہے ﴿ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ هُوَالْحَقُّ ﴾ "الحق اللہ تعالیٰ کی ذات ہے"۔

انسان کے اندر یہ تمیز پیدا ہو جانا اس کی بھی در حقیقت مختلف corollaries ہیں۔ دراصل ہمارا ایک جسم ہے جو نظر آتا ہے' وزن رکھتا ہے اور اس کے تقاضے ہیں جو محسوس ہوتے ہیں۔ بھوک لگتی ہے تو اس کا احساس ہوتا ہے۔ پھنسی نکلتی ہے تو درد ہوتا ہے۔ اس کی مسرت بھی اور اس کی تکلیف بھی محسوس ہوتی ہے۔ لیکن ہمارا حقیقی وجود یہ نہیں ہے' حقیقی وجود وہ روحانی وجود ہے جو نظر نہیں آتا۔ وہ reality ہے' یہ appearance ہے۔ یعنی یہ ظاہر ہے اور وہ اصل حقیقت ہے۔ اسی طرح یہ دُنیا کی زندگی ہے' عظیم کائنات ہے' Galaxies ہیں' ایسے ایسے ستارے ہیں جو سائز میں ہمارے سورج سے لاکھوں گنا بڑے ہیں۔ پوری کائنات کی وسعت کو دیکھیں تو یہ ہمارا سورج بھی ایک ذرہ معلوم ہوتا ہے' اور ذرے کا دل چیریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس کے اندر پورا سورج موجود ہے ؎ "لہو خورشید کا ٹپکے اگر ذرے کا دل چیریں!" ان ذرات کا دل چیر کر ایٹمی توانائی نکالی گئی ہے ؎ "مہرِ درخشاں ذرۂ فانی' ذرۂ فانی مہرِ درخشاں!" لیکن یہ سب appearance ہے' حقیقت نہیں ہے۔

اگر یہ بات دل میں ٹھک جائے تو گویا انسان کی نظری' فکری اور علمی رہنمائی ہو گئی۔ اور اگر نگاہیں یہیں الجھی ہوئی ہیں اور دلچسپیاں انہی ظاہری چیزوں میں ہیں اور بھاگ دوڑ انہی کے لئے ہے' انہی کو زندگی سمجھا ہے' اپنے آپ کو اسی ظاہری جسم سے تعبیر کیا ہے تو آدمی چاہے فلسفی ہو' پی ایچ ڈی ہو' مفسر' محدث' فقیہہ اور مفتی ہو' وہ درحقیقت اندھیروں (ظلمات) ہی میں ہے۔ اسی لئے قرآن کہتا ہے: ﴿ يُخْرِجُهُمْ مِّنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ﴾ یعنی اللہ اہل ایمان کو اندھیروں سے نکال کر روشنی میں لاتا ہے۔ یہ جو ظواہر (appearances) ہیں ان کی بجائے حقائق پر توجہ اور نگاہیں مرکوز ہوں تو یہ نظری

ہدایت ہے جس کے لئے حضور ﷺ کی بڑی پیاری دعا ہے ((اَللّٰھُمَّ اَرِنِیْ حَقِیْقَۃَ الْاَشْیَاءِ کَمَا ھِیَ)) "اے اللہ! مجھے تو چیزوں کی حقیقت دکھا جیسے کہ وہ فی الواقع ہیں"۔ ظاہر تو سب کو نظر آ رہا ہے۔ کُتّا بھی کار کو اگر اپنی طرف آتا دیکھ لیتا ہے تو راستہ بدل لیتا ہے۔ اگر ہم نے بھی یہ کر لیا تو کون سا بڑا تیر مار لیا۔ تو پہلی بات یہ سمجھ لیجئے کہ نظری ہدایت یہی ہے کہ اس سے ظاہر و باطن کا فرق معلوم ہو جائے' حق اور باطل (reality and falsehood) پوری طرح واضح ہو جائیں۔ یہی بات سورۂ کہف میں بھی بیان ہوئی ہے۔ جب حقیقت پر باطل کا ملمع ہو جائے تو یہی دجّالیت ہے۔ دجل کسے کہتے ہیں؟ حقیقت پر کسی اور شے کا پردہ ڈال دینا۔ اسی اعتبار سے یہ دجالیت ہے کہ ان تین حقیقتوں یعنی ذاتِ باری تعالیٰ' روحِ انسانی اور حیاتِ اُخروی پر ان تین ظواہر یعنی کائنات' جسمِ حیوانی اور حیاتِ دُنیوی کا پردہ پڑ جائے۔ اور یہی دجل اور فریب ہے۔ اور جیسے جیسے سائنس ترقی کر رہی ہے یہ دجل بڑھتا چلا جا رہا ہے۔ اس ظاہر کی دلکشی بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ یہ appearance اور زیادہ دل کو موہ لینے والی چیز بنتی چلی جا رہی ہے۔ اس کی رونقیں بڑھتی جا رہی ہیں اور اس کی چمک دمک میں اضافہ ہوتا جا رہا ہے۔ ؎

نظر کو خیرہ کرتی ہے چمک تہذیبِ حاضر کی
یہ صنّاعی مگر جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے

یہ جھوٹ اور "Falsehood" ہے' حقیقت نہیں ہے۔

بہرحال پہلی بات نظری' فکری اور علمی ہدایت ہے۔ میں نے اس میں اس وقت دینی اصطلاحات یعنی ایمان باللہ' ایمان بالرسالت اور ایمان بالآخرۃ کے حوالے سے بات نہیں کی' بلکہ ایک نئے زاویئے سے وضاحت کی کوشش کی ہے۔ اگر انسان میں ست است دو یگ' reality and falsehood حق اور باطل میں امتیاز' appearance and reality کے مابین فرق و امتیاز کا وصف قائم ہو گیا تو اسے نظری' فکری اور علمی ہدایت حاصل ہو گئی۔

دوسری ہدایت عملی ہے۔ اس معاملے میں بھی قرآن کا فلسفہ سمجھ لیجئے کہ عملی ہدایت کا ایک درجہ انفرادی سطح پر ہے کہ میں کیا کروں کیا نہ کروں؟ اللہ تعالیٰ نے یہ

انفرادی ہدایت ہر انسان کے دل میں ودیعت کر کے اسے دُنیا میں بھیجا ہے۔ اسے بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ یہ خیر ہے اور یہ شر ہے' یہ نیکی ہے اور یہ بدی ہے' یہ بھلائی ہے اور یہ برائی ہے : ﴿ وَنَفْسٍ وَّمَا سَوّٰهَا ○ فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا ﴾ نفسِ انسانی کو معلوم ہے کہ سچ بولنا اچھا ہے اور جھوٹ بولنا برا ہے' وعدہ کر کے پورا کرنا اچھا ہے اور وعدہ خلافی کرنا بُری بات ہے۔ بڑوں کی خدمت اور عزت کرنا اچھی بات ہے اور ان کے ساتھ بے عزتی کا معاملہ کرنا بُری بات ہے' والدین کے ادب اور خدمت پر مبنی رویّہ اچھا ہے اور اگر ان کا لحاظ نہ ہو تو یہ بُری بات ہے۔ اسے کون نہیں جانتا؟ یہ دوسری بات ہے کہ انسان کا مزاج ہی بگڑ گیا ہو تو اس وجہ سے وہ اپنے اندر کی اس ہدایت سے فائدہ نہیں اٹھا پاتا۔ لیکن جس وقت وہ غلط کام کر رہا ہوتا ہے اسے اندر سے ضمیر متنبہ کرتا ہے کہ تم غلط کر رہے ہو۔ اسی کا نام "نفسِ لوّامہ" ہے کہ جس کی قسم کھائی گئی ﴿ لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ○ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ○ ﴾ (نہیں! مَیں قسم کھاتا ہوں قیامت کے دن کی۔ اور نہیں! میں قسم کھاتا ہوں نفسِ ملامت گر کی۔)

یہی وجہ ہے کہ قرآن مجید میں اس انفرادی معاملے پر اتنا زیادہ زور نہیں دیا گیا' بلکہ انہیں معروف و منکر کہا گیا ہے کہ جو چیزیں معروف اور جانی پہچانی ہیں یہی اچھائیاں اور بھلائیاں ہیں' پس ان کی پیروی کرو۔ منکر وہ ہیں جن سے انسان کا نفس خود ہی نفرت کرتا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ انسان اپنے کسی مفاد کی وجہ سے یا کسی وقتی جذبے کے تحت کسی منکر کا ارتکاب کر لیتا ہے' لیکن اس کی فطرت اس وقت بھی اسے ٹوک رہی ہوتی ہے کہ غلط کام کر رہے ہو۔ انسان کو اصل احتیاج اجتماعی زندگی میں ہدایت کی ہے۔ یہاں آ کر جو پیچیدگیاں پیدا ہو جاتی ہیں ان کا حل عقل انسانی کے لئے محال مطلق اور ناممکن ہے۔ دُنیا میں آج تک تین اجتماعی مسائل کی نشاندہی ہوئی ہے :

(۱) عورت اور مَرد کے درمیان حقوق و فرائض کے ضمن میں کیا توازن ہو؟ بیوی کے کیا حقوق ہوں اور شوہر کے کیا حقوق ہوں؟ یہ بڑا پیچیدہ مسئلہ ہے۔ انسان اس معاملے میں افراط و تفریط کا شکار رہا ہے۔

(۲) اسی طریقے سے ایک مسئلہ اجتماعی نظامِ ریاست و حکومت کا ہے۔ ایک فرد اور عام

شہری کو کتنی آزادی ہونی چاہئے اور اس پر کتنا جبر ہونا چاہئے؟ اور اجتماعیت کو کتنا اختیار ہونا چاہئے اور Checks and balances کا کیا نظام ہونا چاہئے؟ پولٹیکل سائنس ساری کی ساری اسی مسئلے کے گرد گھومتی ہے۔ اسی طرح سرمایہ اور محنت' کارخانے دار اور مزدور کے حقوق و فرائض میں کیا توازن ہونا چاہئے؟ اس میں ذرا سے عدم توازن سے ظلم و استحصال کا بازار گرم ہو جاتا ہے۔ سرمایہ دار غریب کا خون چوستا ہے۔ ؎

خواجہ از خونِ رگِ مزدور سازد لعلِ ناب
از جفائے دہ خدایاں کشت دہقاناں خراب!

"سرمایہ دار نے مزدور کے خون سے شراب کشید کی ہے جسے وہ شام کو کلب میں بیٹھ کر پیتا ہے۔ اور زمیندار اور لینڈ لارڈ کے ظلم و ستم سے کاشتکار کی کھیتی خراب ہے کہ اس کا بچہ فاقے سے ہے' حالانکہ محنت و مشقت اسی کاشتکار نے کی ہے"۔

یہاں آکر انسان بالکل گھٹنے ٹیک کر اللہ سے ہدایت کا طالب بنتا ہے۔ سورۃ الفاتحہ کے قرآن مجید کے بالکل شروع میں ہونے کی حکمت بھی یہی ہے کہ انسان پہلے خود کہہ رہا ہے:

﴿ اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعٰلَمِيۡنَ ۝ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ ۝ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ۝ اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ ۝ ﴾

"تمام شکر اس اللہ کے لئے ہے کہ جو تمام جہانوں کا پروردگار ہے۔ بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے۔ جزا و سزا کے دن کا مالک ہے۔ ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں۔"

ان حقائق تک تو وہ خود پہنچ گیا ہے۔ لیکن اس کے بعد آگے کہتا ہے کہ:

﴿ اِهۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِيۡمَ ۝ ﴾

"اے اللہ! ہمیں سیدھے راستے کی ہدایت دے۔"

اس اجتماعی معاملے کو کہیں قرآن "صراطِ مستقیم" کہتا ہے اور کہیں "صراط السّویّ" اور کہیں "سواء السّبیل" کہتا ہے۔ مختلف الفاظ آئے ہیں۔ ان تمام پیچیدگیوں میں سے درمیانی' معتدل اور عدل پر مبنی راہ' جس میں افراط و تفریط نہ ہو' یہ اصل ہدایت ہے

جس کے لئے قرآن نازل ہوا۔

میں نے جو باتیں تجزیہ کرکے بتائی ہیں وہ یاد رہیں۔ ایک ہدایت نظری' فکری اور علمی ہے کہ آپ کے سامنے حقیقت اور باطل' appearance and reality' سَت اَسَت کے درمیان امتیاز واضح ہو جائے۔ اللہ حق ہے' آخرت حق ہے۔ آپ نے وہ دعا پڑھی ہوگی : اَنْتَ الْحَقُّ وَ وَعْدُكَ الْحَقُّ وَ قَوْلُكَ حَقٌّ وَ لِقَائُكَ حَقٌّ وَّ الْجَنَّةُ حَقٌّ وَّ النَّارُ حَقٌّ وَّ السَّاعَةُ حَقٌّ وَّ مُحَمَّدٌ حَقٌّ وَّ النَّبِيُّوْنَ حَقٌّ وَّ الْقُرْآنُ حَقٌّ - یہ تمام امور حق ہیں۔ باقی جو نظر آرہا ہے یہ سب باطل ہے۔ سورۃ الحشر میں متنبہ کیا گیا :

﴿ وَلَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ نَسُوا اللّٰهَ فَاَنْسٰهُمْ اَنْفُسَهُمْ ﴾ (الحشر : ۱۹)

"ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے اللہ کو بھلا دیا تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اپنی جانوں سے غافل کردیا۔"

ہم اپنے مادی جسم کو محسوس کرکے سمجھتے ہیں کہ ہم ہیں' حالانکہ حقیقت میں تو کوئی اور شے ہے کہ جو ہمارے وجود کی بنیاد بنتی ہے۔ اسی طرح فرمایا :

﴿ يَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (الروم : ۷)

"یہ دُنیا کی زندگی کے ظاہر(appearance) کو ہی جانتے ہیں۔"

حقیقت کو نہیں جانتے۔ دُنیا کی زندگی کی حقیقت معنوی کو جانتے تو اللہ کو پہچان لیتے اور آخرت کو فوراً پہچان لیتے۔ لیکن یہ صرف دُنیا کی زندگی کے ظاہر کو جانتے ہیں۔ یہ نظری ہدایت ہے۔

جہاں تک عملی ہدایت کا تعلق ہے تو ہر انسان کے لئے اس کی جبلی ہدایت اس کے اندر موجود ہے' جیسے پیٹ کھانے کو مانگتا ہے' جسم کے دوسرے تقاضے ہیں' ان کو پورا کیا جائے۔ اس میں اسے ہدایت صرف اس بات کی دینا ضروری ہے کہ کیا حلال ہے اور کیا حرام ہے۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے کہ سڑک کے ذریعے جب آپ مری جاتے ہیں تو ہر موڑ پر نشان لگے ہوتے ہیں کہ یہاں سے آرام سے گزرنا' ورنہ کھائی میں گر جاؤ گے۔ سپیڈ کی حدود معین کردی گئی ہیں۔ اس طرح سے زندگی کے مختلف معاملات میں حدود اللہ معیّن کردی گئی ہیں کہ ان حدود سے تجاوز نہیں کرنا' باقی یہ کہ خیر و شر کے بارے میں تمہیں

بتانے کی ضرورت نہیں ہے کہ کیا خیر ہے اور کیا شر ہے' کیونکہ تمہیں خود ہی معلوم ہے۔ البتہ اجتماعی زندگی کے اندر تم محتاج محض ہو کہ اللہ تعالیٰ کی ہدایت تمہیں ملے۔

اب اگلے لفظ پر آیئے ﴿ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ﴾ فرقان کا مطلب ہے حق و باطل میں فرق' ست است میں فرق appearance and reality میں فرق۔ "بینات" وہ ہیں جو از خود روشن ہوں۔ اور ایک جگہ پر سورہ عنکبوت میں فرمایا : ﴿ بَلْ هُوَ اٰيٰتٌۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ ﴾ "یہ قرآن تو وہ آیات بینات ہیں کہ جو اہل علم کے سینوں میں (پہلے سے) موجود ہیں"۔ اسی لئے قرآن اپنے آپ کو تذکرہ و تبصرہ کہتا ہے۔ "تبصرہ" کہتے ہیں کسی کو آنکھ کھول کر دکھا دینا اور "تذکرہ" کے معنی ہیں یاد دلا دینا کہ تمہارے اندر یہ سب کچھ موجود ہے۔ تمہارے اندر حق ہے' تمہارے اندر ذاتِ باری تعالیٰ کی تجلی ہے۔ ؎

ہے ذوقِ تجلّی بھی اسی خاک میں پنہاں
غافل تو نرا صاحبِ ادراک نہیں ہے!

اس لئے قرآن مجید جو "بیّنات" کا لفظ لاتا ہے تو وہ اس اعتبار سے کہ یہ انسانی روح کے لئے جانی پہچانی شے ہے' اس میں کوئی نئی شے نہیں ہے۔ اسی لئے بڑے پیارے انداز میں مولانا روم نے کہا ؎

خشک تار و خشک مغز و خشک پوست
از کجا می آید ایں آوازِ دوست

قرآن مجید کو سنتے ہوئے وہ شخص جس کا دل قوی اور زندہ ہو اور روح بیدار ہو تو وہ یوں محسوس کرتا ہے جیسے یہ میرے دوست کی آواز آ رہی ہے' اور گویا یہ تو میرے اپنے دل کی آواز ہے۔ حافظ ابن قیم رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں : "قرآن کے پڑھنے والے بہت سے لوگ ایسے ہیں کہ جب وہ قرآن کو پڑھ رہے ہوتے ہیں تو یہ نہیں سمجھتے کہ ہم مصحف میں سے پڑھ رہے ہیں' بلکہ ایسے محسوس کرتے ہیں کہ جیسے قرآن ہمارے لوحِ قلب پر لکھا ہوا ہے اور ہم وہاں سے پڑھ رہے ہیں۔" فطرتِ انسانی اور قرآن حکیم میں اس قدر ہم آہنگی اسی لئے ہے۔ یہ قرآن ﴿ بَيِّنٰتٍ مِّنَ الْهُدٰى وَ الْفُرْقَانِ ﴾ ہے اور یہ ایسی روشن آیات

ہیں جو علم والوں کے سینوں میں محفوظ ہیں۔

دُنیا کی سب سے بڑی نعمت

اب آیئے اس بات کی طرف کہ یہ قرآن سب سے بڑی نعمت کیوں ہے؟ دراصل ہمارا نعمتوں کا تصور دولت' شہرت' اقتدار' جائیداد' اولاد' صحت وغیرہ تک محدود ہے۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ ان میں سے کوئی شے بھی نعمت نہیں ہے' نعمت صرف ایک ہے اور وہ ہدایت ہے' ہدایت ہو گی تو دولت بھی نعمت ہے' صحت بھی نعمت ہے' ہدایت کی بناء پر آپ دولت اور صحت سے نیکیاں کمائیں گے اور اگر ہدایت نہیں ہے تو اسی صحت کی بنیاد پر بد معاشیاں کریں گے' تو ظاہر ہے کہ ایسی صحت نعمت نہیں بلکہ زحمت ہے۔ ہدایت ہے تو زندگی نعمت ہے' زندگی کا ایک ایک لمحہ نعمت ہے' ہدایت نہیں ہے تو زندگی لعنت ہے۔ ہدایت ہے تو اولاد نعمت ہے' اسے آپ دین کے کام میں لگائیں گے اور اسے صدقہ جاریہ بنائیں گے۔ ہدایت نہیں ہے تو اولاد لعنت ہے جو آپ کیلئے عذاب کا باعث بنے گی۔ آپ نے حرام کے ذریعے سے جو کچھ کما کر جمع کیا ہے اس کو اللّوں تللّوں میں اُڑائے گی اور ان کی بد معاشیوں کا حساب آپ کے کھاتے میں جمع ہو تا رہے گا۔ قرآن مجید میں دو جگہ کہا گیا ہے : ﴿ فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُهُمْ ؕ اِنَّمَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيُعَذِّبَهُمْ بِهَا فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ﴾ (التوبۃ : ۵۵ اور قدرے مختلف الفاظ کے ساتھ التوبۃ : ۸۵) "ان کے مال اور ان کی اولاد (کی کثرت) تمہیں دھوکے میں نہ ڈال دے' اللہ تعالیٰ ان کے ذریعے ان کو دُنیا کی زندگی میں عذاب دینا چاہتا ہے"۔ اگر ہدایت نہیں تو نہ دولت نعمت ہے' نہ اولاد نعمت ہے' نہ صحت نعمت ہے' بلکہ یہ سب ہماری تباہی کا سامان ہے' ہمارے جہنم میں جانے کیلئے تمہید ہے۔ ہاں پارس وہ شے ہے جس سے کوئی چیز چھو جائے تو وہ سونا بن جاتی ہے۔ اسی طرح ہدایت وہ شے ہے کہ اس کے ساتھ صحت بھی نعمت ہے' زندگی بھی نعمت ہے۔ اس کے باوجود بھی اگر کچھ کوتاہیاں ہو جائیں تو ان کی تلافی کا امکان ہے۔ انسان توبہ کے ذریعے اپنی غلطیوں کی تلافی کر لیتا ہے۔ ہدایت کے ساتھ اگر اقتدار نصیب ہو جائے تو خلق خدا کی بہتری کا سامان ہو جائے گا۔ اگر اقتدار ایسے لوگوں کے ہاتھ میں آ

جائے جن کے پاس ہدایت نہیں تو نتیجہ یہی نکلے گا کہ خلق خدا انہیں کوسے گی اور یہ خلق خدا کو لعنت کریں گے۔ تو معلوم یہ ہوا کہ اس دُنیا میں' اس آسمان کے نیچے اور اس زمین کے اوپر حقیقتاً نعمت صرف ایک ہے اور وہ ہدایت ہے جو کہ مطلقاً نعمت ہے' سرتاپا نعمت ہے اور جو ہر نعمت کو نعمت بنانے والی ہے۔ اگر یہ نہ ہو تو پھر کوئی شے نعمت نہیں ہے۔

عظمتِ قرآن' بزبانِ قرآن

اب میں اس نعمتِ ہدایت کی عظمت کے بارے میں تھوڑی سی گفتگو کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے بڑی عجیب بات کی طرف میرے ذہن کو متوجّہ کیا۔ عجیب ترتیب ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں اپنے کلام کی جو عظمت بیان کی ہے اس کے ضمن میں سورۂ حشر کی بڑی عظیم آیت ہے اور دو آیتیں سورۂ یونس کی' چار سورۂ رحمٰن کی' چھ سورۂ عبس کی' اور آٹھ سورۂ واقعہ کی۔ ایک' دو' چار' چھ' آٹھ سیڑھیاں ہیں' لیکن پھر سورۂ واقعہ میں الٹ گیئر لگتا ہے۔ پھر ایک عظیم آیت سورۂ جمعہ کی ہے جو کہ سورۂ واقعہ میں بیان کردہ منفی کردار کو واضح کرتی ہے۔ میں اس وقت صرف اشارہ کروں گا' قرآن کی عظمت فی نفسہٖ کیا ہے؟ یہ ہم سمجھ ہی نہیں سکتے۔ سورۂ حشر میں ارشاد ہوتا ہے:

﴿ لَوْ اَنْزَلْنَا هٰذَا الْقُرْاٰنَ عَلٰى جَبَلٍ لَّرَاَيْتَهٗ خَاشِعًا مُّتَصَدِّعًا مِّنْ خَشْيَةِ اللّٰهِ وَتِلْكَ الْاَمْثَالُ نَضْرِبُهَا لِلنَّاسِ لَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُوْنَ ○ ﴾

"اگر ہم اس قرآن کو پہاڑ پر اتار دیتے تو تم دیکھتے کہ وہ دب جاتا اور پھٹ جاتا اللہ کے خوف سے۔ یہ مثالیں ہم لوگوں کے غور و فکر کے لئے بیان کر دیتے ہیں"۔

قرآن کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ یہ مضمون اتنا لطیف ہے کہ تمہارے ذہن کی گرفت میں نہیں آسکتا۔ اس تمثیل کے ذریعے سے جو بھی کچھ سمجھ سکتے ہو' سمجھ لو۔ قرآن کی عظمت اپنی جگہ ہے۔ اقبال نے اس حقیقت کو ایک اور انداز میں کہا ہے ؎

فاش گویم آں چہ در دل مضمر است\
ایں کتابے نیست چیزے دیگر است\
مثلِ حق پنہاں و ہم پیدا ست ایں\
زندہ و پائندہ گویا ست ایں!

"اس کتاب کے بارے میں جو بات میرے دل میں پوشیدہ ہے اسے اعلانیہ ہی کہہ گزروں۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب نہیں ہے بلکہ کچھ اور ہی شے ہے۔ جیسے اللہ کی ذات الحق ہے ویسے ہی یہ الحق ہے اور جو صفات اللہ کی ہیں یعنی زندہ و پائندہ اور گویا (متکلم) وہی صفات اس قرآن کی بھی ہیں"۔

آگے چلئے' دو آیتیں سورۂ یونس کی آئیں : ﴿ يَا أَيُّهَا النَّاسُ قَدْ جَاءَتْكُمْ مَوْعِظَةٌ مِنْ رَبِّكُمْ وَشِفَاءٌ لِمَا فِي الصُّدُورِ ﴾ "اے لوگو! دیکھو تمہارے پاس تمہارے رب کی طرف سے نصیحت بھی آ گئی ہے اور تمہارے سینوں کے اندر جو روگ ہیں ان کی دوا بھی آ گئی ہے۔" دل اگر سخت ہو گئے ہیں تو ان کو نرم کرنے کے لئے نصیحت بھی قرآن ہے۔ اور پھر یہ کہ دل کے روگ کون سے ہیں؟ ان میں دُنیا کی محبت ہے۔ یہ material world' مایہ (ہندی میں اسے مایہ کہتے ہیں) حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔ اس کی محبت میں انسان گرفتار ہو گیا تو یہی ضلالت ہے اور یہی گمراہی ہے۔ اس مایہ کی محبت کو دل سے نکالنا' اسے اس است کے چکر سے نکال دینا ہی درحقیقت اس کا علاج ہے۔ قرآن اس حوالے سے یہ کام کرتا ہے کہ لوگوں کے سینوں میں جو روگ ہیں' یعنی مال کی محبت' شہرت کی محبت' اقتدار' دولت و جائیداد کی محبت' ان محبتوں کو کھرچ کھرچ کر نکال دیتا ہے اور پھر اللہ تعالیٰ کی محبت کو دل میں اس طرح داخل کرتا ہے کہ اصل محبوب اللہ تعالیٰ ہو جائے۔

اور پھر قرآن ﴿ هُدًى وَرَحْمَةٌ لِلْمُؤْمِنِينَ ﴾ ہے' یعنی یہ اہل ایمان کے حق میں ہدایت بھی ہے اور رحمت بھی۔ لیکن اصل بات دل کے ٹھکنے کی ہے۔ ایک حدیث کا مفہوم ہے کہ : اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے قرآن دیا ہو اور پھر بھی وہ کسی دوسرے شخص کے بارے میں یہ سوچے کہ اس پر اللہ کا کرم مجھ سے زیادہ ہوا ہے کہ اس کو اللہ نے محل دیا ہے' اتنی لمبی کار دی ہے' یعنی اس پر اللہ کا کرم زیادہ ہوا ہے تو اس نے قرآن کی بہت ناقدری کی۔ اسے معلوم ہی نہیں کہ اس کے پاس کتنی بڑی دولت ہے۔ کسی شخص کے پاس کوہِ نور ہیرا ہو اور وہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلا رہا ہو تو اس کا مطلب تو یہ ہے کہ اسے پتا ہی نہیں کہ اس کے پاس کوہِ نور ہیرا ہے۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتیؒ نے مجھے ہندی

کا ایک دوہا سنایا تھا۔ بھیکا ایک ہندی شاعر تھا' وہ کہتا ہے ؎

بھیکا بھوکا کوئی نہیں' سب کی گدڑی لال
گرہ کھول جانے نہیں اس بدیئے کنگال

یعنی کوئی انسان بھوکا نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے دل میں اپنی معرفت گویا کوہ نور ہیرے کی صورت میں رکھی ہوئی ہے۔ تو پھر وہ بھوکا اور مفلس کیسے ہو گیا۔ صرف دل کی گرہ کھولنے کی ضرورت ہے۔ چونکہ انسان اپنے دل کی گرہ کو کھولتا نہیں ہے' اس لئے محسوس کرتا ہے کہ بھوکا ہو گیا ہے' مفلس اور کنگال ہو گیا ہے۔ ﴿ قُلْ بِفَضْلِ اللّٰهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِكَ فَلْيَفْرَحُوْا ؕ هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ ﴾ ○ "کہہ دیجئے کہ یہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے ہے۔ پس اس (نعمت) پر چاہئے کہ خوشیاں مناؤ۔ وہ بہتر ہے اس سے جو وہ جمع کرتے ہیں"۔ پس اس قرآن پر فخر کرو کہ اللہ نے ہمیں اتنی بڑی دولت دی ہے۔

سورۂ رحمٰن کی چار آیتیں ﴿ اَلرَّحْمٰنُ ○ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ○ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ○ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ○ ﴾ "رحمٰن' اس نے قرآن سکھایا' انسان کو تخلیق کیا' اسے بیان سکھایا۔" چار چیزیں جو سب سے چوٹی کی ہیں اللہ تعالیٰ نے ان چار آیتوں میں جمع کر دی ہیں۔ اللہ کے ناموں میں سب سے پیارا نام "الرحمٰن" ہے۔ اہل عرب میں "اللہ" کا لفظ زیادہ معروف تھا' اور وہ "رحمٰن" کے لفظ سے بدکتے تھے' لیکن قرآن نے آ کر جس نام کو زیادہ نمایاں کیا ہے وہ "رحمٰن" ہے' کہ سب سے زیادہ محتاج ہم اللہ کی رحمت ہی کے ہیں۔ جبکہ حضور ﷺ نے یہ فرمایا: "جب تک رحمتِ خداوندی دستگیری نہیں فرمائے گی میں بھی جنت میں داخل نہیں ہو سکتا!" ہمارا تمہارا کیا معاملہ ہے۔ ﴿ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴾ "اس نے قرآن سکھایا"۔ ویسے تو انسان کو سارے کا سارا علم اللہ تعالیٰ ہی نے دیا ہے۔ فزکس' الجبرا' جیومیٹری کس نے پڑھائی؟ کیمسٹری کس نے پڑھائی؟ لیکن سب سے اونچا علم قرآن کا ہے۔ ﴿ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴾ "اس نے انسان کو تخلیق کیا" ویسے تو ساری کائنات اللہ تعالیٰ ہی نے بنائی' فرشتے' جن' آسمان' زمین' سیارے اور ستارے بنائے' لیکن ان سب میں سب سے چوٹی کی مخلوق انسان ہے۔ ﴿ عَلَّمَهُ الْبَيَانَ ﴾ "اس نے اسے بیان سکھایا" اسے

بہت کچھ سکھایا ہے‘ سماعت‘ بصارت دی ہے اور بہت صلاحیتیں دے رکھی ہیں ‘لیکن چوٹی کی چیز "بیان" ہے ــــ اس کا ایک نتیجہ نکلتا ہے ‘اور وہ یہ کہ اس چوٹی کے مصرف کو یعنی قوتِ بیانیہ کو چوٹی کی شے پر خرچ کرو۔ یعنی اس کو قرآن کے پڑھنے پڑھانے‘ سیکھنے سکھانے‘ سمجھنے سمجھانے میں صرف کرو۔ چنانچہ اسی قافیہ میں وہ حدیث آ جاتی ہے جو حضرت عثمان بن عفان رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا :

((خَيْرُكُمْ مَّنْ تَعَلَّمَ الْقُرْاٰنَ وَعَلَّمَهٗ)) (رواہ البخاری)

"تم میں سے بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن سیکھیں اور سکھائیں۔"

سیکھنے سکھانے کے مختلف مراحل و مدارج ہیں۔ قرآن کا صرف ناظرہ پڑھنا‘ سیکھنا سکھانا بھی ٹھیک ہے۔ حفظ اور تجوید بھی ٹھیک ہے۔ اور قرآن کو سمجھنا ہے تو اس کے لئے عربی سیکھنی پڑے گی۔ ایک تو اس کا سرسری طور پر سمجھنا ہے اور دوسرے یہ کہ اس کی گہرائیوں میں اترنا ہے‘ اس کے فلسفے اور حکمت کو سمجھنا ہے‘ اسی سے اپنی معاشی زندگی کے لئے رہنمائی لینی ہے۔ اور اسی سے اپنی سیاسی و سماجی زندگی کے لئے رہنمائی لینی ہے تو یہ اس کے مختلف مدارج ہیں‘ لیکن بہترین لوگ وہ ہیں جو قرآن پڑھیں اور پڑھائیں‘ سیکھیں اور سکھائیں۔

اب چھ آیتیں سورۂ عبس کی ہیں :

﴿ كَلَّآ اِنَّهَا تَذْكِرَةٌ ۝ فَمَنْ شَآءَ ذَكَرَهٗ ۝ فِيْ صُحُفٍ مُّكَرَّمَةٍ ۝ مَّرْفُوْعَةٍ مُّطَهَّرَةٍ ۝ بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ ۝ كِرَامٍ بَرَرَةٍ ۝ ﴾

"کوئی نہیں! یہ قرآن یاددہانی ہے‘ پس جو چاہے یاددہانی حاصل کرلے۔ یہ قرآن بڑے ہی باعزت‘ بلند اور پاکیزہ صحیفوں میں ہے اور اس کے کاتب ملائکہ مقربین ہیں جو کہ بہت ہی باعزت اور نہایت نیک ہیں"۔

یہ قرآن کی ایک اور اعتبار سے مدح ہے۔ قرآن تو صرف یاددہانی ہے۔ تمہاری روح کے اندر وہ سارا علم موجود ہے‘ تمہاری روح میں دبی ہوئی چنگاری موجود ہے۔ جیسے چنگاری کے اوپر راکھ آجاتی ہے اسی طرح تمہاری روح کے اندر موجود چنگاری پر راکھ آگئی ہے۔ قرآن صرف اس راکھ کو ہٹانے کے لئے آیا ہے‘ یہ دلوں کے زنگ کو دور کرنے کے لئے

آیا ہے۔ قرآن اندر کے سوئے ہوئے شعور کو بیدار کرنے کے لئے آیا ہے۔ اس کے بعد فرمایا : قرآن بہت ہی باعزت صحیفوں میں ہے جو کہ بہت ہی بلند ہیں۔ ﴿ اِنَّهٗ لَفِیۡۤ اُمِّ الۡکِتٰبِ لَدَیۡنَا لَعَلِیٌّ حَکِیۡمٌ ﴾ یہ قرآن تو ہمارے پاس ام الکتاب میں ہے' تمہارے پاس تو قرآن کی مصدّقہ نقلیں ہیں' یہ اصل قرآن نہیں ہے ﴿ بَلۡ هُوَ قُرۡاٰنٌ مَّجِیۡدٌ ○ فِیۡ لَوۡحٍ مَّحۡفُوۡظٍ ﴾ اصل قرآن تو لوحِ محفوظ میں ہے۔

اب آیئے' ملاحظہ کیجئے آٹھ آیتیں (۷۵ تا ۸۲) سورۃ الواقعہ کی :

﴿ فَلَاۤ اُقۡسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوۡمِ ○ وَ اِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوۡ تَعۡلَمُوۡنَ عَظِیۡمٌ ○ ﴾

"نہیں! مجھے قسم ہے ان مقامات کی جہاں ستارے گرتے ہیں' اور اگر تمہیں علم ہو تو یہ بہت بڑی قسم ہے جو ہم نے کھائی ہے۔"

تمہیں معلوم نہیں۔ آج شاید انسان کو پتا چلا ہے کہ اس کائنات کے اندر بہت بڑے بڑے black holes ہیں جو کہ "مَوَاقِعِ النُّجُوۡمِ" ہیں۔ یہ تو ماہرین فلکیات (astronomists) سے پوچھیں کہ یہ black holes کیا ہیں اور کس بلا کا نام ہیں؟ کوئی بڑے سے بڑا سیارہ قریب سے گزر جائے تو وہ ان میں دھنس جائے گا' فنا اور ختم ہو جائے گا :

﴿ اِنَّهٗ لَقُرۡاٰنٌ کَرِیۡمٌ ○ فِیۡ کِتٰبٍ مَّکۡنُوۡنٍ ○ لَّا یَمَسُّهٗۤ اِلَّا الۡمُطَهَّرُوۡنَ ﴾

"یہ بڑا باعزت قرآن ہے' چھپی ہوئی کتاب میں ہے۔ (وہ کتاب اللہ کے پاس لوحِ محفوظ میں ہے) اسے تو چھو ہی نہیں سکتے مگر صرف وہ کہ جو انتہائی پاک ہوں (یعنی فرشتے ہیں کہ جو اسے چھوتے ہیں)"۔

اگرچہ علماء نے اس آیت سے فقہی حکم نکال لیا ہے کہ بغیر وضو قرآن کو ہاتھ نہ لگایا جائے' لیکن یہاں اصل مفہوم کچھ اور ہے' اور وہ یہ کہ قرآن کے باطن تک انسان کی رسائی اُس وقت تک نہیں ہو سکتی جب تک کہ اس کا باطن بالکل پاک نہ ہو جائے' ورنہ وہ قرآن کے بھی ظاہر کے اندر الجھا رہے گا کہ یہ لفظ ہے' اس کا مادہ یہ ہے' یہ فعل ہے۔ اس بات کو مولانا روم اس طرح فرماتے ہیں ؎

ما ز قرآں مغزہا برداشتیم — استخواں پیشِ سگاں انداختیم

یعنی قرآن سے اس کا اصل مغز تو ہم نے لے لیا ہے اور خالی ہڈی کتوں کے آگے ڈال دی ہے' وہ خالی ہڈیوں میں لڑتے رہتے ہیں۔ پس اگر اندر پاک ہو گیا ہو تو قرآن کے باطن تک رسائی ہو گی' ورنہ آپ تفسیر لکھ دیں گے' لیکن آپ کی رسائی قرآن کے باطن تک نہیں ہو گی۔ تفسیریں تو غیر مسلم بھی لکھ دیتے ہیں۔ لوگوں نے بڑی بڑی کتابیں لکھ دی ہیں' حدیث کے بڑے بڑے انڈکس غیر مسلموں نے لکھ دیئے ہیں' لیکن یہ کہ قرآن کے باطن تک ان کی رسائی نہیں ہو سکی۔

﴿ تَنْزِيْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾ "پھر اس کا اتارا جانا ہے (لوح محفوظ سے 'کتابِ مکنون' اُمّ الکتاب سے) اس ہستی کی طرف سے کہ جو تمام جہانوں کا رب ہے"۔

آگے اب منفی پہلو ہے۔ اب تک کی باتیں آپ کو اچھی لگ رہی تھیں' اب کڑوی بات ہے : ﴿ اَفَبِهٰذَا الْحَدِيْثِ اَنْتُمْ مُّدْهِنُوْنَ ○ ﴾ "کیا اس قرآن جیسی چیز سے تم بے اعتنائی برت رہے ہو"۔ بے توجہی کر رہے ہو' اسے پڑھتے نہیں' پڑھتے ہو تو سمجھتے نہیں' سمجھتے ہو تو عمل نہیں کرتے۔ اتنی عظیم شے! کائنات کی عظیم ترین نعمت سے یہ سلوک! انگریزی ہم نے اتنی پڑھ لی کہ انگریزوں کو پڑھا دیں' لیکن عربی نہیں سیکھ سکے کہ قرآن سمجھ سکیں۔ آخر اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ پی ایچ ڈی میں' فزکس' کیمسٹری میں' ڈاکٹری میں نہ جانے کتنے کتنے سال لگا کر لوگ ڈگریاں لیتے ہیں کہ آدھی عمر گزر چکی ہوتی ہے۔ سب کچھ پڑھ لیتے ہیں' لیکن اتنی عربی نہیں پڑھ سکتے کہ قرآن سمجھ سکیں۔ اب یہ سمجھ لو قرآن اس کو کیا کہتا ہے : ﴿ وَ تَجْعَلُوْنَ رِزْقَكُمْ اَنَّكُمْ تُكَذِّبُوْنَ ○ ﴾ "تم نے اپنا نصیب یہ ٹھہرا لیا ہے کہ قرآن کو جھٹلا رہے ہو"۔ اگرچہ زبان سے نہیں کہتے کہ قرآن جھوٹا ہے۔ لیکن اگر تم قرآن کو سچا اور حق سمجھتے تو کیا اس کے ساتھ یہ سلوک کرتے!

یہ ہے وہ شے جس کو میں نے کہا ہے کہ reverse گیئر لگا ہے' جو میرے اور آپ کے لئے لمحۂ فکریہ ہے۔ اس کے لئے میں پھر ایک آیت کا حوالہ دے رہا ہوں اور وہ ہے سورۂ جمعہ کی آیت نمبر۵۔ اللہ تعالیٰ نے سابق اُمّتِ مسلمہ ـــــ جو مَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ اور ملعون ہیں (یعنی یہودی) ـــــ کی مثال دی ہے :

﴿ مَثَلُ الَّذِيْنَ حُمِّلُوا التَّوْرٰىةَ ثُمَّ لَمْ يَحْمِلُوْهَا كَمَثَلِ الْحِمَارِ يَحْمِلُ

اسۡفَارًا﴾ (الجمعۃ : ۵)

"مثال ان لوگوں کی جو حاملِ توراۃ بنائے گئے' پھر انہوں نے اس کو نہیں اٹھایا (اس کی ذمہ داری ادا نہیں کی) اس گدھے کی سی ہے جس پر (کتابوں کا) بوجھ لدھا ہوا ہو۔"

اگر ہم نے بھی وہی رویہ اختیار کیا تو گویا پھر یہ ہماری ہی مثال ہے۔

تحریک رجوع الی القرآن

اس ساری گفتگو کا عملی نتیجہ یہ ہے کہ پوری قوت کے ساتھ انفرادی اور اجتماعی سطح پر قرآن کی طرف رجوع کی ایک زبردست تحریک چلنی چاہئے جس میں لوگوں کو دعوت دی جائے کہ آؤ قرآن پڑھو پڑھاؤ' سیکھو سکھاؤ' سمجھو سمجھاؤ' اس کا علم حاصل کرو اور عام کرو۔ آج اللہ کا فضل و کرم ہے کہ ۲۰۰۰ء شروع ہو چکا ہے۔ میں ۱۹۶۵ء میں دوبارہ لاہور منتقل ہوا تھا' یعنی اب ۳۵ برس مکمل ہو چکے ہیں۔ ۶۷ء سے اس سمن آباد سے دعوت رجوع الی القرآن کا آغاز ہوا۔ اللہ تعالیٰ کا شکر ہے کہ "شادم از زندگیٔ خویش کہ کارے کردم!" بڑا اطمینان اور سکون ہے کہ زندگی اسی کام میں لگی ہے۔ اپنی بہتر صلاحیت' بیشتر وقت' بہتر توانائیاں صرف اس کام میں صرف کی ہیں کہ قرآن پڑھو پڑھاؤ' سیکھو سکھاؤ' سمجھو سمجھاؤ۔ اور اللہ کا بہت بڑا فضل ہے' جس کا کچھ نقشہ سورۂ فتح کے آخر میں کھینچا گیا ہے : ﴿ کَزَرۡعٍ اَخۡرَجَ شَطۡاَهٗ فَاٰزَرَهٗ فَاسۡتَغۡلَظَ فَاسۡتَوٰی عَلٰی سُوۡقِهٖ ﴾ جیسے ایک کسان نے کھیتی لگائی' ہل چلایا' بیج ڈالا' پانی دیا یا یہ کہ باران رحمت آگئی تھی' اب اس نے دیکھا کہ بیج پھوٹ رہے ہیں اور پتیاں نکل رہی ہیں' پھر اس نے اپنا پٹھہ اٹھایا ہے' پھر ذرا اُس کو گدرا کیا ہے' پھر وہ کھیتی اپنی نال پر کھڑی ہو گئی ہے۔ ﴿ یُعۡجِبُ الزُّرَّاعَ لِیَغِیۡظَ بِهِمُ الۡكُفَّارَ ﴾ اس کاشتکار کو وہ منظر بہت بھلا اور بہت اچھا لگتا ہے' وہ خوش ہوتا ہے اور اس کا دل باغ باغ ہوتا ہے کہ میری محنت بار آور ہو رہی ہے۔ یہی معاملہ محمدؐ رسول اللہ ﷺ کا تھا۔ ۲۳ برس کی دن رات کی محنتِ شاقّہ میں ایسے ایسے مرحلے آئے کہ رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ انتقال سے چند دن پہلے جس وقت آپ ﷺ مرضِ وفات کی کیفیت میں تھے اور جماعت میں شریک نہیں ہو رہے تھے اس حالت میں آپؐ کو بہت شدید تکلیف

رہی ہے۔ سر میں درد بہت شدید تھا۔ جس وقت ذرا سا افاقہ ہوا تو حجرے کے دروازے کا پردہ اٹھا کر دیکھا تو مسجد میں نماز ہو رہی تھی' حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ امامت کرا رہے تھے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے چہرے پر یہ سوچ کر تبسم آیا کہ یہ میری کھیتی ہے جو میں نے لگائی ہے' آج یہ فصل میری نگاہوں کے سامنے ہے۔ اور پھر اس کے بعد پردہ ڈال دیا۔

میں یہ بات آپ سے اس لئے کر رہا ہوں کہ میں نے ۳۵ برس پہلے جس کام کا آغاز کیا تھا آج میں اس کھیتی کو اپنی نگاہوں کے سامنے پروان چڑھتے ہوئے دیکھ رہا ہوں۔ میں نہیں سمجھتا کہ اِس وقت اعلیٰ تعلیم یافتہ نوجوانوں کی سو سے کم تعداد ہو گی جو اس قرآنی فکر کو درس و تدریس کے ذریعے عام کر رہے ہیں' اور یہ نوجوان بھی اب ادھیڑ عمر میں پہنچ رہے ہیں۔ یہ نصف صدی کا قصہ ہے' دو چار برس کی بات نہیں۔ میرے دو بیٹے اب چالیس کی دہائی میں ہیں اور میرے ساتھی نوجوان جو میرے ساتھ میرے درس میں شریک ہوتے تھے وہ fifties کے آس پاس آ رہے ہیں۔ اتنے لوگ ہیں کہ جو اس کام میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن کا پڑھنا پڑھانا' سیکھنا سکھانا' سمجھنا سمجھانا ہو رہا ہے۔

میں آج سوچ رہا تھا کہ میرے پردادا حافظ نور اللہ صاحب کی ۱۸۵۷ء میں انگریزوں نے جائیداد ضبط کر لی تھی۔ تو پھر وہاں سے چھوڑ کر ضلع مظفر نگر (یو پی) مشرقی پنجاب میں منتقل ہو گئے۔ دو نسلیں تو ہماری ایسی گزری ہیں کہ جن میں کوئی دینی کام نظر نہیں آتا' محض دُنیاوی معاملہ تھا۔ اور مسائلِ روزگار ہی اتنے گھمبیر تھے کہ "دُنیا نے تیری یاد سے بیگانہ کر دیا" لیکن پھر اللہ کا شکر ہے کہ اس کے بعد تیسری نسل سے یہ کام شروع ہو گیا۔ آج میں سوچ رہا تھا کہ اللہ کے فضل و کرم سے میرے دو بیٹے حافظ ہیں۔ میرے تین چھوٹے بھائی ہیں اور تینوں کا ایک ایک بیٹا حافظ ہے۔ خاص طور پر برادرم اقتدار احمد مرحوم (اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے) کے پاس میں خود گیا تھا کہ تم اپنا ایک بچہ میرے حوالے کرو جو قرآن اکیڈمی میں ایک سالہ کورس کرے اور پھر اس کام میں لگے۔ انہوں نے اپنا نمبر ۲ بیٹا حمید احمد دیا تھا' لیکن وہ ایک حادثے میں فوت ہو گیا۔ اب میرے اندر اس بات کی ہمت نہیں تھی کہ میں کہتا کہ کوئی اور بچہ بھی دو' کیونکہ کاروبار کے تقاضے بھی ہوتے ہیں' لیکن بغیر اس کے کہ مجھے کوئی توقع ہوتی بحسنِ نیت فوری طور پر اقتدار احمد

مرحوم نے کہا کہ رشید ارشد کو اس کام میں لگالیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ یہ اسی نیت کا نتیجہ نکلا ہے کہ یہ ان کا بچہ ہے جس نے اس چھوٹی سی عمر میں یہاں دورۂ ترجمہ قرآن کیا ہے۔ یہ حافظ بھی ہے۔ میرے تین بیٹے دورۂ ترجمہ قرآن کر چکے ہیں۔ عاکف تو میرا خیال ہے چار پانچ مرتبہ کر چکے ہیں۔ ابھی شکاگو سے دورۂ ترجمہ کر کے آرہے ہیں جو کہ امریکہ کا گڑھ ہے۔ میرے ایک اور شاگرد اس وقت نیویارک میں دورۂ ترجمہ کر رہے ہیں۔ اسی طرح پورے پاکستان کے اندر بہت بڑے پیانے پر یہ کام ہو رہا ہے۔ یہ سب اللہ کا فضل ہے ﴿ وَ اَمَّا بِنِعْمَةِ رَبِّكَ فَحَدِّثْ ﴾ ہمیں حکم دیا گیا ہے کہ اللہ کا کوئی خاص انعام ہو تو اس کا تذکرہ بھی کیا کریں اور شکر کیا کریں۔ میرے دو بیٹے ' دو پوتے اور ساڑھے پانچ نواسے حافظ ہیں۔ ایک نے چونکہ پندرہ پارے کئے ہیں ' اس لئے ساڑھے پانچ کہا ہے۔ اللہ کا شکر ہے۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ میرے تینوں چھوٹے بھائیوں کا ایک ایک بیٹا حافظ ہے۔ بس اگر مجھے کچھ افسوس ہوتا ہے تو اپنے بڑے بھائی کے بارے میں۔ حالانکہ میرا اپنا قرآن کے ساتھ لگاؤ ان کے ساتھ ہی شروع ہوا۔

۱۹۴۷ء کی بات ہے ' اگست یا ستمبر کا مہینہ تھا ' ہم حصار میں محصور تھے۔ ہندو باہر سے آکر پے بہ پے حملے کرتے رہتے تھے ' ان سے دفاع کے لئے ہم نے مورچے لگا لئے تھے۔ بھائی جان نے اُس وقت BSc انجینئرنگ اور میں نے میٹرک کا امتحان پاس کر لیا تھا۔ چنانچہ یہ فارغ وقت ہم ایک مسجد میں بیٹھ کر مولانا مودودیؒ کا رسالہ ترجمان القرآن جس میں سورۂ یوسف کی تفسیر چھپ رہی تھی ' بڑے غور سے پڑھ رہے تھے۔ قرآن کا ذوق میرے اندر وہیں سے شروع ہوا۔ شوق پہلے بھی تھا ' بلکہ یہ تو اس وقت سے تھا جب میں پانچویں جماعت میں پڑھتا تھا۔ اُس وقت علامہ اقبال کا ایک شعر میرے ذہن میں چپک کر رہ گیا تھا ؎

وہ زمانے میں معزز تھے مسلماں ہو کر
اور تم خوار ہوئے تارکِ قرآں ہو کر!

اس وقت میری عمر دس گیارہ سال ہو گی ' لیکن قرآن کو پڑھنے اور سمجھنے کا ذوق اس وقت پیدا ہوا جب ہم دونوں مل کر joint study کرتے تھے۔ پھر قرآن کی عظمت منکشف

ہوئی۔ اس سے ایک دلچسپی اور لذت پیدا ہو گئی اور اللہ تعالیٰ نے اس درجہ مناسبت عطا کی کہ اللہ کے فضل و کرم سے پھر میری زندگی تو اسی کام میں لگ گئی۔ پروفیسر یوسف سلیم چشتی صاحب کہا کرتے تھے کہ ہم نے عاشقِ قرآن تو بہت دیکھے ہیں لیکن فنافی القرآن ڈاکٹر اسرار کے سوا کوئی نہیں دیکھا' حالانکہ وہ مولانا احمد علیؒ کے بہت قریب رہے۔ جس زمانے میں حمایتِ اسلام ایک تبلیغی کالج ہوتا تھا اس وقت وہ اس کے پرنسپل تھے اور اس کے منتظم مولانا احمد علیؒ ہوتے تھے۔ ان کا ان سے بہت قریبی ربط تھا۔

بہرحال دعوت رجوع الی القرآن کے حوالے سے میں آپ کو جو خوشخبری دے رہا ہوں وہ یہ ہے کہ یہ جگہ جہاں آپ اس وقت بیٹھے ہیں اب یہ بھی جامع القرآن کی شکل اختیار کرے گی۔ یعنی جیسے حضور ﷺ نے حجۃ الوداع میں فرمایا تھا : ((اِسْتَدَارَ الزَّمَانُ کَھَیْئَتِہٖ یَوْمَ خَلَقَ اللّٰہُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ)) قریش نے کیلنڈر میں اونچ نیچ کر دی تھی۔ انہوں نے اشہرِ حرم آگے پیچھے کر دیئے تھے' لیکن حجۃ الوداع کے موقع پر صحیح تقویم کے مطابق حج ہوا تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا : "آج سے نسیٔ کا قاعدہ منسوخ ہوا۔ آج وقت کی تقویم وہیں آ گئی ہے کہ جس پر اللہ تعالیٰ نے کائنات کو پیدا کیا۔" تو یوں سمجھئے کہ ۱۹۶۶ء سے جو تحریک قرآنی میرے پھوپھی زاد بھائی شیخ نصیر احمد مرحوم کے مکان A-211 این سے اور پھر مسجد خضراء سمن آباد سے درسِ قرآن کی صورت میں شروع ہوئی تھی اور پھر دس برس تک دعوت رجوع الی القرآن کا جو ڈنکا بجا ہے وہ اسی ارضِ سمن آباد میں تھا۔ پورے شہر سے کھنچ کھنچ کر لوگ آیا کرتے تھے۔ اور اب یہ کہ منظور حسن صاحب جو اس جگہ کے مالک تھے ان کی خواہش تھی کہ یہ جگہ قرآن مجید کی دعوت کا مرکز بنے۔ میں اس بات کا اعلان کر رہا ہوں کہ قرآن اکیڈمی ماڈل ٹاؤن کی طرز پر یہاں بھی ان شاء اللہ تعالیٰ ایک چھوٹی سی جامع القرآن تعمیر ہو گی اور اسے ذرا چھوٹے پیمانے پر ایک مرکز کی حیثیت حاصل ہو گی۔ اب آپ اُس وقت کو غنیمت سمجھیں اور کمر کس لیں۔ عربی کلاسز شروع ہوں تو محنت و توجہ کے ساتھ عربی پڑھنے میں لگ جائیں۔ کوئی اور اجتماعات ہوں تو ان کے اندر پوری پابندی کے ساتھ شرکت کریں۔ تعمیر ہو تو اس میں دل کھول کر چندہ دیں اور پورے زور و شور کے ساتھ اس کی تعمیر میں حصہ لیں تاکہ یہ جلد از جلد مکمل ہو

سکے۔ یہاں ایک مسجد بھی بنے گی۔ ابھی تک مختلف مسجدیں مختلف مسلکوں کے نام سے پہچانی جاتی ہیں۔ کوئی دیوبندی مسلک کی مسجد ہے تو کوئی بریلوی مسلک کی۔ اسی طرح اہلحدیث اور شیعہ مسالک کی مساجد ہیں۔ لیکن یہ مسجد اسلام اور قرآن کی مسجد' یعنی جامع القرآن ہوگی اور اس کے ساتھ کسی فرقہ واریت کا معاملہ نہیں ہوگا۔ ان شاء اللہ تعالیٰ وہ مرکز یہاں بنے گا۔

عظیم ترین نعمت کے تقاضے

اب میں دوسری بات کی طرف آرہا ہوں۔ دیکھئے' قرآن مجید سب سے بڑی نعمت ہے' تو اللہ تعالیٰ کے ہاں ان نعمتوں کا حساب بھی ہوتا ہے۔ ﴿ ثُمَّ لَتُسْئَلُنَّ يَوْمَئِذٍ عَنِ النَّعِيمِ ﴾ "پھر قیامت کے دن تم سے ان نعمتوں کے بارے میں حساب کتاب بھی ہوگا"۔ یعنی تم نے ہماری نعمت کا صحیح استعمال بھی کیا کہ نہیں۔ نعمتِ قرآنی کا استعمال ایک تو یہ ہے کہ قرآن پڑھو پڑھاؤ اور سیکھو اور سکھاؤ' اس کے نور کو عام کرو' چار دانگِ عالم کو اس کی روشنی اور ہدایت سے منور کردو۔ لیکن اس کا دوسرا معاملہ یہ ہے کہ اس کتاب کے نظام کو قائم کرنے کے لئے تن من دھن کی بازی لگاؤ۔ یہ صرف پڑھنے کے لئے نہیں آئی ہے' یہ اس لئے آئی ہے کہ ہمارے سارے فیصلے اس کے مطابق ہوں ﴿ وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰئِكَ هُمُ الْكَافِرُوْنَ . . . . هُمُ الظّٰلِمُوْنَ . . . . هُمُ الْفَاسِقُوْنَ ﴾ "جو اللہ کی اُتاری ہوئی شریعت کے مطابق فیصلے نہیں کرتے وہی تو کافر ہیں . . . . وہی تو ظالم ہیں (وہی تو مشرک ہیں) . . . . اور وہی تو فاسق ہیں۔" ہم کیا ہیں؟ انفرادی طور پر (اللہ کا شکر ہے) ہم مسلمان ہیں' اجتماعی طور پر ہم کافر ہیں۔ ہمارا نظام کافرانہ ہے' ہماری معیشت سود پر مبنی ہے۔ یہ اللہ اور اس کے رسولؐ کے خلاف بغاوت ہے۔ ہمارے خلاف اللہ اور اس کے رسول کا اعلانِ جنگ ہے۔ ہمارے معاشرے میں فحاشی' عریانی اور بے حیائی ہے۔ چنانچہ قرآن کے فیصلے کے مطابق ہمارا شمار کن لوگوں میں ہوتا ہے؟

قرآن مجید کی دعوت کا خلاصہ یہ ہے کہ سارے نبیوں نے کہا : ﴿ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَالَكُمْ مِنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ﴾ اور ﴿ اُعْبُدُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوْنِ ○ ﴾ "اے میری قوم کے لوگو!

اللہ کی بندگی کرو‘ جس کے سوا تمہارا کوئی معبود نہیں" اور "اللہ کی بندگی کرو اور میری اطاعت کرو"۔ اللہ کی بندگی اور پرستش کرو لیکن اس کے لئے اپنی اطاعت کو خالص کرتے ہوئے۔ ﴿ وَمَا اُمِرُوْا اِلَّا لِيَعْبُدُوا اللّٰهَ مُخْلِصِيْنَ لَهُ الدِّيْنَ حُنَفَاءَ ﴾ "اور انہیں اللہ تعالیٰ کی بندگی کا ہی حکم دیا گیا تھا اطاعت کو اسی کے لئے خالص کرتے ہوئے یکسو ہو کر"۔ اب ہماری بندگی تو ادھوری ہے۔ اور ادھوری بھی کہاں ہے؟ ہماری پوری اجتماعی زندگی تو اسلام و قرآن کے خلاف ہے۔ انفرادی زندگی میں ٹھیک ہے میں شراب نہیں پیتا‘ سود نہیں کھاتا‘ نماز پڑھتا ہوں‘ روزہ رکھتا ہوں‘ لیکن اس سے آگے اجتماعیت کا پہلا قدم شروع ہوتے ہی کفر شروع ہو گیا۔ آج ہمارے کتنے گھر ہیں جن میں شرعی پردہ ہے۔ میں رواجی پردے کی بات نہیں کر رہا‘ شرعی پردے کی بات کر رہا ہوں۔ اگر گھر میں شرعی پردہ نہیں ہے تو اجتماعیت کا تو پہلا قدم ہی غلط ہو گیا۔ کتنے لوگ ہیں جو حلال کھا رہے ہیں؟ کتنے کاروباری ہیں جو اپنے آپ کو بینک کے اوورڈرافٹس سے بچائے ہوئے ہیں اور کتنے لوگ ہیں جنہوں نے سودی قرضہ لے کر مکان نہیں بنائے ہیں؟ اس سارے کفر کے خلاف جب تک جدوجہد نہ ہو‘ سعی‘ محنت اور جہاد نہ ہو ہماری یہ جزوی ہدایت اللہ کے ہاں قبول نہیں۔ سورۃ المائدۃ ہی میں فرمایا : ﴿ قُلْ يٰاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ "(اے نبی) کہہ دیجئے : اے کتاب والو (یہودیو‘ نصرانیو) تمہاری کوئی حیثیت ہماری نگاہ میں نہیں ہے جب تک کہ تم توراۃ اور انجیل کو اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے قائم نہیں کرتے"۔ تمہارا منہ نہیں ہے کہ ہم سے بات کر سکو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ ہم سے فرماتے ہیں کہ کس منہ سے تم نماز پڑھ رہے ہو جب کہ تم نے اللہ کی کتاب کو قائم نہیں کیا۔ گویا ﴿ يٰاَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا "الْقُرْاٰنَ" وَمَاۤ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ ﴾ "اے قرآن والو! تمہاری کوئی حیثیت نہیں جب تک کہ تم قرآن کو اور جو کچھ تم پر نازل کیا گیا ہے اسے قائم نہیں کرتے۔"

چنانچہ اب ہمارے لئے کرنے کا کام کیا ہے؟ ظاہر ہے کہ میں اکیلا یہ کام نہیں کر سکتا۔ اور یہ بھی حقیقت ہے کہ سو پچاس یا ہزار دو ہزار آدمی مل کر بھی نہیں کر سکتے۔ لیکن

جدّوجُہد اور کوشش تو کرسکتے ہیں۔ اپنی توانائیاں‘ صلاحیتیں‘ قوتیں‘ اپنے اوقات‘ اپنے وسائل اور اپنی اولاد کو تو اس کام کے لئے لگا سکتے ہیں۔ اگر ہم یہ بھی نہیں کرتے تو پھر یقیناً اس وعید کا شکار ہو جاتے ہیں کہ :

﴿ اَفَتُؤْمِنُوْنَ بِبَعْضِ الْكِتٰبِ وَتَكْفُرُوْنَ بِبَعْضٍ ۚ فَمَا جَزَآءُ مَنْ يَّفْعَلُ ذٰلِكَ مِنْكُمْ اِلَّا خِزْيٌ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۚ وَيَوْمَ الْقِيٰمَةِ يُرَدُّوْنَ اِلٰى اَشَدِّ الْعَذَابِ ۗ وَمَا اللّٰهُ بِغَافِلٍ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ○ ﴾ (البقرۃ : ۸۵)

”کیا تم ہماری کتاب کے کچھ احکام پر عمل کرتے ہو اور کچھ پر نہیں کرتے؟ تو جان لو کہ تم میں سے جو کوئی یہ حرکت کرے اس کی سزا اس کے سوا کچھ نہیں ہے کہ اسے دُنیا میں ذلیل و خوار کر دیا جائے اور قیامت کے دن شدید ترین عذاب میں جھونک دیا جائے‘ اور جو کچھ تم کرتے ہو اللہ اس سے غافل نہیں ہے“۔

اس سے بچنے کی ایک ہی شکل ہے۔ وہ یہ کہ غلبہ چونکہ باطل اور طاغوت کا ہے اور اللہ کا دین مغلوب ہے‘ میں اور آپ اس کے تحت رہنے پر مجبور ہیں‘ ہم سودی نظام کے اندر سانس لے رہے ہیں‘ میرے اور آپ کے سانس کے ساتھ سود اندر جا رہا ہے‘ تو پھر اس سب کے کفارے کے لئے ہمیں کیا طرزِ عمل اختیار کرنا چاہئے؟ جواب اس کا صرف یہ ہے کہ یہاں رہتے ہوئے ہمیں اپنی توانائیوں‘ قوتوں‘ صلاحیتوں‘ اوقات و وسائل و ذرائع کا کم سے کم حصہ اپنی ذات پر اور اپنے اہل و عیال پر اور زیادہ سے زیادہ حصہ ایسی جدوجہد میں لگا دینا چاہئے جس کے ذریعے دین کے نظام کو قائم کیا جا سکے۔ اگر یہ کر لیا تو کفارہ ادا ہو جائے گا‘ جو گناہ اندر جا رہا ہے وہ دھل جائے گا۔ اسے آپ اقامتِ دین یا نظامِ خلافت کہہ لیں‘ قرآن کا قائم کرنا کہہ لیں‘ دین کا قیام یا نظامِ مصطفیٰ ﷺ کا قیام کہہ لیں۔ یہ نام مختلف ہو سکتے ہیں لیکن کام کی نوعیت ایک ہی ہے۔ ”عِبَارَاتُنَا شَتّٰی وَحُسْنُكَ وَاحِدٌ“۔

پھر اس کے ساتھ یہ بھی ہے کہ اگر آپ باطل کے تحت زندگی گزار رہے ہیں تو اس صورت میں آپ پر اقامتِ دین کی جدّوجُہد فرض عین ہے۔ مَیں یہ بات سوچ سمجھ کر کہہ رہا ہوں۔ میری پوری زندگی قرآن مجید کے پڑھنے پڑھانے میں گزری ہے۔ یہ بات مَیں

اپنے مطالعہ قرآنی کی روشنی میں کہہ رہا ہوں کہ جو آدمی اس جدّوجہد میں شریک نہیں ہے' اس کی نماز' نماز نہیں ہے' روزہ' روزہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ جب تک طاغوت کا کفر نہیں کرتا اس وقت تک اس کا اللہ پر ایمان معتبر ہی نہیں ہوتا۔ ﴿ فَمَنْ يَّكْفُرْ بِالطَّاغُوْتِ وَ يُؤْمِنْ بِاللّٰهِ فَقَدِ سْتَمْسَكَ بِالْعُرْوَةِ الْوُثْقٰى ﴾ (البقرۃ : ۲۵۶) ''پھر جو کوئی طاغوت کا کفر کرے اور اللہ پر ایمان لائے تو اس نے ایک مضبوط کنڈے کو تھام لیا۔'' طاغوت کا کفر پہلے ہے اور اللہ پر ایمان بعد میں ہے۔ اگر انسان طاغوت کے خلاف جدّوجُہد نہیں کر رہا اور اس کے تحت پھلنے پھیلنے اور پھولنے کی کوشش کر رہا ہے' جائیداد بنا رہا ہے' کاروبار بڑھا رہا ہے' تو اس کا مطلب ہے طاغوت کے ساتھ اس کی ہم آہنگی ہے' وہ اسے ذہناً قبول کر چکا ہے اور دل سے اسے مان چکا ہے۔ لہٰذا اس کی نماز منہ پر دے ماری جائے گی۔

التزام جماعت کی ضرورت واہمیت

میرے مطالعے کا حاصل یہی ہے۔ لہٰذا میں چاہتا ہوں کہ قرآن کی دعوت کا یہ پہلو آپ اچھی طرح پلے باندھ کر اٹھیں۔ اگر یہ بات سمجھ میں آگئی ہے تو پھر چار چھوٹے چھوٹے نقشے نوٹ کر لیں۔

۱) اس کے لئے کسی جماعت میں شامل ہونا لازم ہے۔ کیونکہ یہ کام بغیر جماعت کے ممکن نہیں۔ یہ کام افراد نہیں کر سکتے۔ اسی لئے حضور ﷺ نے فرمایا : ((عَلَيْكُمْ بِالْجَمَاعَةِ)) ''(مسلمانو!) تم پر جماعت سے وابستہ رہنا ضروری ہے''۔ ((يَدُ اللّٰهِ عَلَى الْجَمَاعَةِ)) ''اللہ کا ہاتھ جماعت پر ہے''۔ اور ایک حدیث میں حضور ﷺ نے صاف فرمادیا :

> ((اِنِّیْ اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ' اَللّٰهُ اَمَرَنِیْ بِهِنَّ : بِالْجَمَاعَةِ وَالسَّمْعِ وَالطَّاعَةِ وَالْهِجْرَةِ وَالْجِهَادِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ))
>
> ''مسلمانو! میں تمہیں پانچ باتوں کا حکم دے رہا ہوں' جس کا مجھے اللہ نے حکم دیا ہے : جماعت کا التزام ہو اور جماعت بھی سمع وطاعت والی ہو' اور یہ جماعت پھر ہجرت اور جہاد کے مراحل سے گزر کر اللہ کے دین کو قائم کرے۔''

اس جماعت کا معیّن ہدف اقامتِ دین کی جدّوجُہد ہونا چاہئے۔ کوئی چھوٹا کام مثلاً تعلیمی، تبلیغی اور اصلاحی نوعیت کا نہیں ہونا چاہئے۔ ویسے تو یہ کہ اگر کوئی سگریٹ نوشی کے خلاف بھی مہم چلائے تو وہ بھی اچھا کام ہے۔ تمباکو نوشی سے لوگوں کو بچانا' یہ بھی اچھا ہے' برا نہیں۔ آپ اپنے محلے کی صفائی کے لئے "انجمن حفظانِ صحت" بنالیں تو یہ بھی بہت اچھی بات ہے۔ لیکن اس جماعت کا Declared Goal اقامت دین اور غلبۂ دین کی جدوجہد ہونا چاہئے۔

۲) وہ جماعت انتہائی منظم (disciplined) ہونی چاہئے۔

۳) یہ معلوم ہونا چاہئے کہ اس جماعت کا طریقہ کار کیا ہے۔ ایک بات طے ہے کہ اگر وہ طریقہ کار رسول اللہ ﷺ کے طریقہ کار سے ماخوذ اور مستنبط نہیں ہے تو آپ کبھی منزل تک نہیں پہنچ سکتے ؎

خلافِ پیمبر کسے راہ گزید
کہ ہرگز بمنزل نہ خواہد رسید!

چنانچہ راستہ وہی اختیار کرنا ہوگا ((لَا یَصلُحُ آخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ اِلاَّ بِمَا صَلُحَ بِهٖ اَوَّلُهَا)) "اس امت کے آخری حصے کی اصلاح نہیں ہوگی مگر صرف اسی طریقے پر جس پر کہ پہلے حصے کی اصلاح ہوئی ہے"۔

۴) آپ کے لئے جس طرح بھی ممکن ہو اُس جماعت کی قیادت کے قریب ہو کر دیکھ لیں کہ دل کیا گواہی دیتا ہے کہ کیا یہ لوگ مخلص ہیں یا بہروپئے ہیں؟ یہ دین کے نام پر دُنیا کی کوئی دکان تو نہیں چمکا رہے؟ اگر دل ان لوگوں کے خلوص کی گواہی دے دے اور یہ جماعت بقیہ شرطیں بھی پوری کر رہی ہو تو پھر اس جماعت میں شامل ہونا فرضِ عین ہے۔ اگر باطل کے غلبے کے تحت زندگی گزارنے والے شخص کے لئے دین کے غلبے کی جدوجہد فرضِ عین ہے تو پھر اس فرض عین کو پورا کرنے کے لئے جماعت کا التزام بھی فرضِ عین ہے۔ یہ بات سمجھ لیجئے کہ جس طرح نماز کے لئے وضو فرض ہے' اس لئے کہ وضو کے بغیر نماز نہیں' اسی طرح چونکہ جماعت کے بغیر دین کی اقامت ممکن نہیں لہٰذا اگر اقامت دین فرض ہے تو التزامِ جماعت بھی فرض ہے۔

جماعت سازی کی مسنون اساس

جماعت سازی کے کئی طریقے ہیں۔ ایک طریقہ ہمارے ہاں انگریزوں کے ساتھ آیا۔ مثلاً جب نئی تہذیب آئی تو میز کرسی پر بیٹھ کر کھانا کھانا بھی اس کے ساتھ آیا۔ ظاہر ہے کہ یہ ہماری تہذیب تو نہیں ہے۔ حضور ﷺ کا طریقہ تو حدیث میں یوں مذکور ہوا ہے۔ ((مَا اَكَلَ النَّبِیُّ ﷺ عَلَی الْخِوَانِ قَطُّ)) کہ نبی کریم ﷺ نے کبھی خوان پر رکھ کر کھانا نہیں کھایا۔ حضور ﷺ کے زمانے میں میز کرسی تو تھی نہیں۔ ان کے ہاں اونچے گھرانوں میں ایک رواج تھا کہ ان کے پاس چھ چھ انچ اونچی چوکیاں ہوتی تھیں۔ زمین پر بیٹھ کر کھا رہے ہوتے لیکن آگے چھ انچ اونچی چوکی رکھی ہوتی' جسے "خوان" کہتے تھے۔ اب بھی بعض گھرانوں میں یہ رواج موجود ہے۔ حضور ﷺ نے کبھی "خوان" پر بھی کھانا نہیں کھایا' لیکن یہ کہ اس کرسی میز کو کسی نے حرام نہیں کہا۔ یہ نئی شے تو ہے لیکن حرام نہیں ہے۔ کوئی ایسی دلیل نہیں ہے جس میں اس کی ممانعت آگئی ہو۔ یہ صحیح ہے کہ مسنون نہیں ہے' لیکن حرام بھی نہیں ہے۔

اسی طرح ہندوستان میں انگریزوں کے آنے کے بعد جماعتیں بنانے کا طریقہ یہ بنا کہ پہلے اس کے مقاصد (aims) اور اہداف (objects) لکھ لئے جائیں۔ اس کے Articles of Association اور قواعد و ضوابط کا تعین کر لیا جائے۔ گویا پورا دستور (Constitution) بنالیا جائے۔ اب جو شخص بھی اس دستور کو مان لے گا وہ اس جماعت کا رکن بن جائے گا۔ پھر یہ ارکان اس جماعت کے امیر یا صدر کا انتخاب دو یا چار سال کے لئے کریں گے۔ جماعت بنانے کے اس طریقے کو بھی مَیں مباح و جائز سمجھتا ہوں۔ اگرچہ یہ مسنون نہیں ہے' لیکن حرام بھی نہیں ہے۔ جیسے میز کرسی پر کھانا کھانا حرام یا مسنون نہیں ہے اسی طرح یہ طریقہ نہ مسنون ہے' نہ منصوص ہے اور نہ ماثور ہے' لیکن حرام بھی نہیں ہے۔ Constitutional Organization بھی ٹھیک ہے' اگر منظم اور سمع و طاعت والی ہو۔ لیکن جس جماعت کا قرآن' حدیث' سیرت' سنت' خلافت راشدہ اور ہماری پوری تاریخ میں ذکر ہے وہ بیعت کا نظام ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ ایسا ہو جس پر آپ کو اعتماد ہو کہ یہ آدمی ٹھیک ہے' دین کو جانتا ہے اور حقیقتاً یہ دین کی خدمت

کرنا چاہتا ہے تو آپ اس سے شخصی طور پر بیعت کر لیں کہ میں آپ کا ساتھی ہوں' جو حکم آپ مجھے دیں گے میں کروں گا۔ میں خود بھی مشورہ دوں گا' اپنی رائے دوں گا' لیکن یہ کہ فیصلہ گنتی سے نہیں ہو گا کہ یہ اکثریت ہے اور یہ اقلیت ہے' نو آدمیوں کی رائے لازماً غلط ہے اور دس کی لازماً صحیح ہے۔ حالانکہ یہ ضروری نہیں۔ ہو سکتا ہے کہ آٹھ آدمیوں کی رائے صحیح ہو اور بیس کی غلط ہو۔ نظامِ بیعت میں فیصلہ امیر کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے :

﴿ اِنَّ اللّٰهَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَهُمْ وَاَمْوَالَهُمْ بِاَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ . . . فَاسْتَبْشِرُوْا بِبَیْعِكُمُ الَّذِیْ بَایَعْتُمْ بِهٖ ﴾ (التوبۃ : ۱۱۱)

"بے شک اللہ تعالیٰ نے مؤمنوں سے ان کی جانیں اور مال جنت کے عوض خرید لئے ہیں.... پس اس بیع پر کہ جو تم نے اللہ سے کی ہے خوشیاں مناؤ"۔

یہ بیعت اللہ سے بھی ہے اور اللہ کے نبیؐ سے بھی۔ سورۃ الفتح کے اندر دو جگہ ذکر آ گیا :

﴿ اِنَّ الَّذِیْنَ یُبَایِعُوْنَكَ اِنَّمَا یُبَایِعُوْنَ اللّٰهَ یَدُ اللّٰهِ فَوْقَ اَیْدِیْهِمْ ﴾

"بے شک جن لوگوں نے آپؐ سے بیعت کی یقیناً انہوں نے اللہ سے بیعت کی۔ اللہ کے ہاتھ ان کے ہاتھ پر ہے"۔

﴿ لَقَدْ رَضِیَ اللّٰهُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ ﴾

"بے شک اللہ مؤمنوں سے اس وقت راضی ہو گیا جب انہوں نے درخت کے نیچے آپؐ سے بیعت کی۔"

سورۃ الممتحنۃ میں خواتین کی بیعت کا ذکر آیا ہے۔ یہ نظام ہے کہ جو قرآن نے دیا' حدیث نے دیا اور سیرت میں بھی یہی نظام ہے۔ بیعتِ عقبہ اولیٰ اور عقبہ ثانیہ ہوئیں' بیعتِ رضوان بیعت علی الموت ہو رہی ہے۔ اسی بیعت پر خلافتِ راشدہ کا نظام چلا۔ حضرت ابو بکر' عمر' عثمان اور حضرت علی رضی اللہ عنہم کی بیعت ہوئی ہے۔ اور جس وقت خلافت ملوکیت میں بدلنے لگی اور حضرت حسینؓ میدان میں آئے تو انہوں نے بھی بیعت لی کہ آؤ میرے ساتھ' ہم اس ملوکیت کے راستے کو بند کریں۔ یہ دوسری بات ہے کہ بیعت کرنے والے گھبرا گئے اور ابن زیاد کے تشدد سے خوف زدہ ہو کر انہوں نے بیعت توڑ دی۔ اس

کا کوئی الزام حضرت حسینؓ پر تو نہیں۔ ہمارا یہ نظام تھا جس کو کہ ہم نے انگریزوں کے آنے کے بعد پس پشت ڈال دیا۔ حالانکہ ۱۹۱۳ء میں مولانا ابوالکلام آزاد نے جماعت "حزب اللہ" بنائی تو وہ بیعت کی بنیاد پر تھی۔ کچھ عرصہ کے بعد بیس کی دہائی میں شیخ حسن البنّاء نے مصر میں جو جماعت بنائی وہ بھی بیعت کی بنیاد پر تھی۔ لیکن مولانا مودودیؒ نے جب جماعت اسلامی بنائی وہ بیعت کی بنیاد پر نہیں تھی۔ البتہ ۱۹۳۰ء میں جب قادیانی فتنے کا مقابلہ کرنے کیلئے علماء جمع ہوئے اور انہوں نے مولانا عطاءاللہ شاہ بخاریؒ کو امیرِ شریعت بنایا تو ان سے بیعت کی۔ رسول اللہ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے جو بیعت لی اس کے الفاظ سے آپ کو اندازہ ہوگا کہ وہ کتنی گھمبیر بیعت ہے۔ یہ روایت مسلم شریف اور بخاری شریف دونوں میں موجود ہے۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں :

((بَایَعْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی السَّمْعِ وَالطَّاعَۃِ ' فِی الْعُسْرِ وَالْیُسْرِ ' وَالْمَنْشَطِ وَالْمَکْرَہِ ' وَعَلٰی اَثَرَۃٍ عَلَیْنَا ' وَعَلٰی اَنْ لاَّ نُنَازِعَ الْاَمْرَ اَھْلَہٗ ' وَعَلٰی اَنْ نَّقُوْلَ بِالْحَقِّ اَیْنَ مَاکُنَّا ' لَا نَخَافُ فِی اللّٰہِ لَوْمَۃَ لَائِمٍ))

"ہم نے اللہ کے رسول ﷺ سے بیعت کی تھی کہ آپؐ کا ہر حکم سنیں گے اور مانیں گے (اطاعت کریں گے) چاہے کتنا ہی مشکل ہو اور خواہ آسان ہو' چاہے ہماری طبیعتیں آمادہ ہوں' چاہے ہمیں اپنی طبیعتوں پر جبر کرنا پڑے' چاہے آپ ہم پر دوسروں کو ترجیح دے دیں (ہم یہ نہیں کہیں گے کہ میں آپ کا پرانا ساتھی تھا آپ نے نووارد کو مجھ پر امیر بنا دیا) جنہیں آپؐ امیر بنائیں گے ہم ان سے جھگڑیں گے نہیں اور جہاں بھی ہوں گے حق بات ضرور کہیں گے (اپنی رائے پیش کر دیں گے)۔ اور اللہ تعالیٰ کے معاملے میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کی پرواہ نہیں کریں گے"۔

اور اسی بیعت کے نظام پر ہم نے تنظیم اسلامی قائم کی ہے۔ ہماری بیعت میں صرف ایک لفظ کا اضافہ ہے۔ وہ اس طرح کہ حضور ﷺ کا ہر حکم واجب الاطاعت تھا۔ حضور ﷺ کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا بھی ہر حکم واجب الاطاعت نہیں ہے۔ ان سے بھی کتاب و

سنّت کی دلیل پوچھی جائے گی۔ کتاب و سنّت کے خلاف وہ کوئی حکم نہیں دے سکتے۔ چنانچہ ہم نے بیعت کے الفاظ یہ رکھے ہیں: "اِنِّیْ اُبَایِعُكَ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ فِی الْمَعْرُوْفِ" یعنی اس میں صرف دو لفظ بڑھا دیئے ہیں باقی وہی بات ہے۔

اس بیعت کے بارے میں اب میں آخری بات کہہ رہا ہوں۔ مسلم شریف میں حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

((مَنْ مَّاتَ وَلَيْسَ فِیْ عُنُقِهٖ بَيْعَةٌ مَاتَ مِيتَةً جَاهِلِيَّةً))

"جو شخص اس حال میں مرا کہ اس کی گردن میں بیعت کا قلادہ (پھندا) نہیں تھا تو وہ جاہلیت کی موت مرا"۔

یہ بیعت تو ایسے ہی ہے جیسے آپ نے اپنی بکری کے گلے میں رسّی ڈالی ہوئی ہے اور رسّی کا ایک سرا آپ کے ہاتھ میں ہے۔ چنانچہ اب وہ بکری آپ کے پاس سے کہاں جا سکتی ہے؟ اسی طرح سے گویا رسّی کا ایک سرا بیعت کرنے والے کی گردن میں ہے اور دوسرا بیعت لینے والے کے ہاتھ میں ہے۔ صاف صاف بات کر رہا ہوں کہ گردن میں بیعت کے قلادے کے بغیر موت اسلام کی موت نہیں، بلکہ جاہلیت کی موت ہے۔

اب میں اس کا تجزیہ کر کے بتاتا ہوں۔ عملاً دو ہی صورتیں ممکن ہیں: یا تو اسلام کا نظام قائم ہے 'نظام خلافت ہے' تو جو خلیفہ ہے اسکے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ اگر نہیں کریں گے تو جہنم میں جائیں گے۔ اور اگر اسلام کا نظام قائم نہیں ہے تو ظاہر ہے وہ نظام خود بخود تو نہیں آئے گا، اس کیلئے محنت کرنا پڑے گی، جماعت بنانا ہو گی، کوشش کرنا ہو گی، چنانچہ جماعت کے امیر سے بیعت کرنا ہو گی۔ ان دو کے علاوہ تیسری شکل ممکن نہیں۔ یا نظامِ خلافت ہے یا نہیں ہے۔ دو ہی شکلیں ہیں، اور کوئی شکل نہیں۔ اگر نظامِ خلافت ہے تو خلیفہ کے ہاتھ پر بیعت، جیسے ابوبکر، عمر، عثمان، علی رضی اللہ عنہم کے ہاتھ پر بیعت تھی۔ اگر نظامِ خلافت نہیں ہے تو جو جماعت اس کو قائم کرنے کے لئے کھڑی ہو اس کے امیر کے ہاتھ پر بیعت ہو گی۔ پس ثابت ہوا کہ اگر کوئی مسلمان ہے اور وہ اسلام کی موت مرنا چاہتا ہے تو اسے بیعت کرنا ہو گی:

﴿ اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُكِیْ وَمَحْيَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ○ ﴾

''بیشک میری نماز' میری قربانی' میری زندگی میری موت اللہ رب العالمین ہی کے لئے ہے۔''

میں نے جو دین کا تقاضا سمجھا ہے وہ آپ کے سامنے رکھ دیا ہے۔ اب آپ میں سے ہر شخص کے دل و دماغ کا فیصلہ ہے۔ دل و دماغ گواہی دیں کہ بات ٹھیک ہے تو اس کو قبول کرنا آپ پر لازم ہے۔ اور اگر بات سمجھ میں نہیں آئی تو رد کر دیں۔ اگر بات سمجھ میں آ گئی ہے کہ یہ کام تو صحیح ہے لیکن یہ تنظیم صحیح نہیں ہے تو کسی اور تنظیم کو دیکھیں۔ کسی نبی کی تنظیم تو آج ہے نہیں' نہ میں نبی ہوں اور نہ ہی کوئی اور نبی ہے۔ لہٰذا آپ کو اس کام کے لئے جو بھی بہتر نظر آئے اور آپ کے خیال میں جو بھی جماعت بہتر طریقے پر جدوجہد کر رہی ہے اس میں شریک ہو جایئے' لیکن کوئی شخص اپنے آپ کو اس سے فارغ نہ سمجھے' اس لئے کہ غلبۂ باطل کے تحت زندگی گزارنے والے شخص کے لئے اقامت دین اور غلبہ دین کی جدوجہد فرضِ عین ہے۔ اور یہ وہ فرض ہے کہ اگر اس کی طرف انسان توجہ نہیں دے رہا اور اس کے ضمن میں اپنی ذمہ داری پوری نہیں کر رہا تو باقی فرائض بھی میرے نزدیک اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہوں گے۔

اقول قولی ھذا واستغفر اللّٰہ لی ولکم ولسائر المسلمین والمسلمات ○○

(مرتب : محمد علاؤ الدین)

قارئین واحباب نوٹ فرمالیں!

پی ٹی وی پر نشر ہونے والا' امیر تنظیم اسلامی

ڈاکٹر اسرار احمد کا پروگرام حقیقت دین

اب ہفتہ میں دوبار دیکھا جاسکتا ہے :

i) جمعرات — شام سوا چھ بجے — پی ٹی وی ورلڈ پر

ii) اتوار — صبح ساڑھے نو بجے — پی ٹی وی پر